ترجمے کا فن اور عبدالعزیز خالد کے تراجم

ڈاکٹر آصف علی چٹھہ
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

ART OF TRANSLATION AND ABDUL AZIZ KHALID

Asaf Ali Chatha, PhD
Assistant Professor of Urdu
Department of Urdu, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Abdul Aziz Khalid is a great name of modern Urdu literature. He is a polyglot and enjoys excellence in many western and eastern classical and modern languages. He is not only a good poet but also a very good translator as well. He is a prolific reader of international literature. He rendered a number of masterpieces of world literature and enriched Urdu language with new ideas and trends of literature. This article is a study of Khalid's art of translation and his contribution to Urdu literature.

Keywords:

ایمرسن، حفیظ صدیقی، عبدالعزیز خالد، بائبل، ترجمہ، نظم، غزل، عربی، اردو

ایمرسن (Emerson) نے ایک جگہ لکھا ہے:

When nature has work to be done she creates a genius to do it.

عبدالعزیز خالد بھی ایسے ہی نابغہ روزگار ہیں جنھوں نے اپنے وسیع مطالعہ، کامل فنی یکسوئی، قادرالکلامی اور بے مثال شعری تنوع کے باعث ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں جنھیں ادبی دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خالد نے مواد اور معیار کے اعتبار سے اردو کو شعری سرمائے سے ثروت مند کیا ہے۔ ان کی تخلیقات اردو شاعری میں ایک گراں بہا اضافہ ہیں۔ ان کا کلام ملک و ملت اور زبان اردو کے لیے موجب نازش اور باعث افتخار ہے۔

عبدالعزیز خالد ایک کثیر الجہات شخصیت ہیں۔ تماثیل ہوں، تراجم ہوں یا نظم و غزل وہ جس کوچے میں بھی قدم رکھتے ہیں اپنی انفرادیت اور مہارت کی مہر ثبت کرتے چلے جاتے ہیں۔ حفیظ صدیقی اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''انھوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی نظمیں ایک قادرالکلام نظم گو کا تاثر چھوڑتی ہیں تو غزلیں ایک خوش فکر غزل گو کی حیثیت سے ان کا لوہا منواتی ہیں۔ رباعیات و قطعات میں اگر ان کے جوہر کھلتے نظر آتے ہیں تو تمثیلات میں وہ ایک کامیاب ڈرامہ نگار دکھائی دیتے ہیں۔ طبع زاد تخلیقات اگر بڑے اور سچے شاعر کی حیثیت سے ان کا رتبہ متعین کراتی ہیں تو ان کے تراجم ایسے کامیاب مترجم کی حیثیت سے انھیں سامنے لاتے ہیں جو اصل کو اپنی روح میں جذب کر کے ایسے دلپذیر انداز میں پیش کرتا ہے کہ ترجمے پر اصل کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اگر رومانی نظمیں ایک خوش فکر رومانی شاعر کے طور پر ان کا تعارف کراتی ہیں تو ان کی نعتیں ایک سچے عاشق رسولؐ کی حیثیت سے انھیں متعارف کراتی ہیں۔ جدا ہونے والے لوگوں کے بارے میں کہی ہوئی ان کی ذاتی نظمیں اگر بنی نوع انسان سے محبت کرنے والے انسان کے طور پر انھیں سامنے لاتی ہیں تو ان کی حمدیں ایک سچے بندۂ خدا کے طور پر ان سے شناسائی عطا کرتی ہیں۔ غرض انھوں نے جس صنف سخن کو بھی اپنایا ہے اس صنفِ سخن کی بارگاہ میں خود کو سرخرو پایا۔''(۱)

ڈاکٹر احسن فاروقی بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ عبدالعزیز خالد اس وقت کے عظیم ترین شاعروں میں سے ہیں۔ عبدالعزیز خالد کی شاعری سیف اللہ ہے جو ہر میدان کو فتح کرتی چلی جاتی ہے۔ خالد صاحب آزاد آہنگ کے مالک اور مشاق ہیں اور ان کے ترجمہ کی ادبی اہمیت کسی بھی نظم سے مقرر ہو سکتی ہے۔ زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں عبدالعزیز خالد کا نام ہی اعلیٰ شاعری کی ضمانت ہے۔(۲)

داغستان کے شاعر رسول حمزہ اپنی کتاب میرا داغستان (My Daghestan) میں رقم طراز ہیں:

> "A writer's life is judged not by his years but by his books, and there is not better measure of a person than his work. By his work you judge his flights and falls, his glory or lack of it"(۳)

رسول حمزہ کے زاویہ نظر سے بھی دیکھیں تو خالد ادیبوں کی صف میں ایک نمایاں مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ان کی عظمت مواد اور موضوعات دونوں اعتبار سے مسلم ہے۔ان کی مختلف تصنیفات کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہاں معیار اور مقدار ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔خالد کے ادبی کارناموں کو ہم مجموعی طور پر تین بڑے حصوں تقسیم کر سکتے ہیں: ا۔تمثیلات ،۲۔نظم وغزل،۳۔ تراجم

اردو میں تمثیلات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔البتہ خالد کا یہ خصوصی کارنامہ ہے کہ انھوں نے اردو کا دامن تمثیلی نظموں سے بھر دیا ہے۔وہ ایک کامیاب تمثیل نگار ہیں اور ان کی شاعری کے جوہر بھی ان کی منظوم تمثیلات میں ہی کھلتے ہیں۔تمثیلات کے ساتھ خالد نے نظم وغزل اور خصوصاً رباعی میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔

جہاں تک خالد کے تراجم کا تعلق ہے تو یہ بات بھی مسلم ہے کہ خالد اس دور کے وہ یکتا شاعر ہیں جنھیں بیک وقت عربی ،عبرانی ، فارسی ، اردو، ہندی ، انگریزی ، جرمن ،سریانی اور فرانسیسی زبانوں اور ان کے ادب پر عبور حاصل ہے۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دنیا کے بہترین ادب کو اردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں اور ان کے علمی و ادبی پس منظر سے بہت حد تک واقف ہو۔ترجمہ کا حسن یہی ہے کہ وہ ترجمہ معلوم نہ ہو بلکہ اس پر اصل کا گمان ہو۔خالد ایسی شرائط پر کماحقہ، پورا اترتے ہیں۔اسی لیے خالد کے تراجم پر بات کرتے ہوئے حامد اللہ افسر میرٹھی لکھتے ہیں:

> ’’خالد نے دنیا کے عظیم ادب کے بعض شہکاروں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ترجمہ بجائے خود بڑا مشکل کام ہے۔لیکن کسی زبان کی نظم کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ نہایت دشوار ہوتا ہے۔ خالد نے اس دشوار کام کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے اور غیر معمولی طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ان کے ترجمے بالکل طبع زاد تصانیف معلوم ہوتے ہیں۔‘‘(۴)

عبدالعزیز خالد کے تراجم میں ایک تنوع اور بوقلمونی موجود ہے۔انھوں نے کئی تہذیبوں کو اپنے فن میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔کہیں پہ ادبیات اسرائیلیہ کا ذکر ہے اور کہیں یونانی نغمات سنائی دیتے ہیں۔کہیں دورِ جدید کے انقلاب اور تحریک کی باتیں ہیں تو کہیں دینِ ابراہیمی کا تذکرہ ملتا ہے، کہیں داغستان کے

پہاڑوں سے رسول حمزہ کی آواز گونجتی ہے اور کہیں ٹیگور کے الوہی نغمے بہار دکھاتے نظر آتے ہیں۔ خالد کی ان متنوع جہات کا تذکرہ کرتے ہوئے کامل القادری رقم طراز ہیں:

''خالد بڑے پینڈے کا شاعر ہے۔ ان کی شاعرانہ کاوشوں کی مختلف جہتیں ہیں۔ ہر جہت کا اپنا کچھ تقاضا بھی ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا مثلاً سرودِ رفتہ، غزل الغزلات، گل نغمہ، سلوٰی، پرواز عقاب اور اس کی اکثر تمثیلیں ترجمہ یا اخذ واستفادہ ہیں۔ خالد نے ترجمہ کرتے ہوئے نہ صرف معانی بلکہ فضا اور اسلوب کے ساتھ ساتھ شاعرانہ محاسن اور شیوہ ہائے بیان کو بھی اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمام تصانیف جن کا خالد نے ترجمہ کیا ہے وہ مختلف عہد سے تعلق رکھتی ہیں اور اپنے عہد کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ مثلاً غزل الغزلات سے شبانی معاشرے کی معصومیت جھلکتی ہے۔ پرواز عقاب سے عہد حاضر کی انقلابی روح اور جہد آزادی کی تڑپ ہویدا ہوتی ہے۔ ان سے لطف اندوز ہونے کے لیے ہمیں کچھ دیر کے لیے اپنے عہد کی حکایتیں بھول جانا پڑتی ہیں اور اگر ہم نہ بھول سکیں تو خود خالد ہمیں ایسی دنیا میں پہنچادیتے ہیں کہ ہم زمان ومکان کی آزادی وفراغت محسوس کرنے لگتے ہیں۔'' (۵)

عبدالعزیز خالد کے تراجم کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

نثر سے نظم میں تراجم:

(ا) غزل الغزلات (بائبل کی کتاب نشیدالانشاد کا ترجمہ)
(ب) سلوٰی (عہد نامہ جدید کی ایک داستان کا ترجمہ)
(ج) فرقانِ جاوید (قرآن مجید کا ترجمہ)

نثر سے نثر میں تراجم:

(ا) اقبال (عطیہ فیضی کی کتاب Iqbal کا ترجمہ)
(ب) شعلہ چنار (حصہ نثر) (رسول حمزہ توف کے منتخب ادب پاروں کا ترجمہ)

نظم سے نظم میں تراجم:

(ا) سرودِ رفتہ (سیفو کی منتخب شاعری کا ترجمہ)
(ب) گلِ نغمہ (ٹیگور کی گیتا نجلی کا ترجمہ)
(ج) پروازِ عقاب (ہوچی منہ کی Prison Diary کا ترجمہ)
(د) غبارِ شبنم (منتخب جاپانی شاعری کا ترجمہ)
(ہ) شعلۂ چنار (حصہ نظم، رسول حمزہ توف کے منتخب ادب پاروں کا ترجمہ)

مندرجہ بالا تراجم میں فرقان جاوید، قرآن مجید کا منظوم ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ خالد نے براہ راست عربی زبان سے کیا ہے اور ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے۔ فرقان جاوید کو دیکھ کر علامہ عبدالعزیز میمن کی رائے بے اختیار یاد آ جاتی ہے کہ عبدالعزیز خالد، میں یہ نہیں کہوں گا کہ اس دور کے ممتاز و بے مثل اسلامی شاعر ہیں بلکہ پوری اردو شاعری کی تاریخ میں مجھے کوئی اسلامیات اور عربی کا اتنا ماہر اور باخبر ادیب و شاعر معلوم نہیں۔ (۶)

فرقان جاوید کے علاوہ باقی تراجم انگریزی سے اردو میں کیے گئے ہیں۔ البتہ غزل الغزلات میں بائبل کے اردو ترجمے سے بھی مدد لی گئی ہے۔

ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی محرک موجود ہوتا ہے۔ جب خالد سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے تراجم کیوں کیے ہیں اور پھر انھی شہ پاروں کو ترجمے کے لیے کیوں منتخب کیا ہے تو انھوں نے اس کا بہت خوب صورت جواب دیا:

''اس میں کسی ارادے کا دخل نہیں۔

ہمیں تو غیر سے بھی بوئے آشنا آئی

ترجمے کسی طے شدہ پروگرام کے تحت تو کیے نہیں جاتے۔ مدھو مکھی کی طرح شہد کی تلاش میں ڈال ڈال پات پات سرگرداں رہتا ہوں بھنورے کی طرح کلی کلی کا رس چوستا ہوں۔

خندہ از گل گریہ از ابرِ بہار آموختم
من ز ہر صاحب دلے یک شمہ کار آموختم

جو چیز من کو بھا جائے دل کے اکتارے کو جھنجھنا دے۔ طبیعت جس پر بھر بھرائے جی چاہتا ہے اس کے سرور میں، اس کی لذت میں، اپنے ہم وطنوں اور ہم زبانوں کو بھی شامل کر لوں کہ شراکت سے خوشی بڑھتی ہے۔ وہی جذبۂ تحصیل و تسخیر، وہی سنت ابرہیمی کہ اکیلے کھانا نہیں چاہیے۔ دسترخوان پر مہمان ضرور ہونا چاہیے کہ اس سے برکت ہوتی ہے۔ شاعر اکل کھرا نہیں ہوتا وہ لنگر دار دریا ہوتا ہے اور اس کا لنگر ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ ترجمے کا محرک ایک طرح سے یہی جذبہ ہے۔

تلسی اس سنسار میں بھانت بھانت کے لوگ
سب سے مل جل بیٹھے ندی ناؤ سنجوگ'' (۷)

حقیقت یہ ہے کہ خالد کے تراجم اور طبع زاد تخلیقات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ انسانیت کی فوز و فلاح کے خواہاں ہیں۔ وہ حریت فکر کے داعی اور آزادی اظہار کے مبلغ ہیں۔ وہ عظمت و وحدتِ آدم کے نقیب اور محبت و مُساوات کے سفیر ہیں۔ وہ انقلاب کے پیغامبر اور حرکت اور اجتہاد کے مبشر ہیں اور یہ روشنی انھیں جہاں بھی نظر آتی ہے اس کی طرف پروانہ وار لپکتے ہیں، چاہے وہ ٹیگور ہو، ہو چی منہ ہو، سیفو ہو یا رسول حمزہ۔

ترجمہ اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اور اس میں بعض اوقات تخلیق سے بھی زیادہ جانکاہی اور مشقت درکار ہوتی ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے بقول ترجمے میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے جو مضمون پر حاوی ہونے کے علاوہ دونوں زبانوں میں کامل دسترس رکھتا ہو۔ ادب کی نزاکتوں سے واقف ہو اور اصل مصنف کے صحیح مفہوم کو اپنی زبان سے اسی قوت سے بیان کرسکے۔(۸)

خالد کے تراجم کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ مصنف کو ہمیشہ پیش منظر میں رکھتے ہیں اور خود پس منظر میں لیکن نظر ضرور آتے ہیں۔ خالد کمال خوبی سے فن کا استعمال کرتے ہیں اور شکست وریخت کے بغیر اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ یہی خالد کا نمایاں وصف ہے جو انھیں ممتاز مترجمین اور شعرا کی صفِ اول میں لا کھڑا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ہوچی منہ نے اپنی جو نظمیں قید کے دوران لکھی ہیں، ان میں محبِّ وطن انسان کی ذہنی گھٹن، جیل کی صعوبتوں اور روحانی وجسمانی بُعد کی ترجمانی کی گئی ہے۔ خالد نے ہوچی کی ان تمام کیفیات کی اسی انداز میں عکاسی کی ہے۔ ہوچی منہ ایک ایسا شاعر ہے جو جیل میں رہ کر بھی پژمردہ نہیں اور اپنی شاعری کی وساطت سے طنزیہ پیرائے میں دکھتی رگوں کو چھیڑتا نظر آتا ہے۔ اس کا یہ طنزیہ انداز اس کی اکثر نظموں میں موجود ہے۔ خالد کے ترجمے میں بھی یہ انداز نظر آتا ہے:

سیدھے خمدار پہاڑ اور اونچی
چوٹیاں (سرکش ودشوار گزار
برف وباراں کے وہ طوفان وبلاخیزیٔ رعد)
ان پہ چڑھ چکنے کے بعد
کیسے میدانوں میں ان سے بڑے خطروں سے دوچار
ہونے کی مجھ کو توقع ہوتی؟

سامنا میرا پہاڑوں پہ ہوا شیروں سے
سرِ مو میں نے مگر خوف نہ محسوس کیا
ان کے چنگل سے نکل آیا صحیح وسالم

ابنِ آدم سے پڑا سابقہ میدانوں میں
تو (ستمگر) نے پکڑ کر مجھے محبوس کیا
(اسے یونہی تو نہیں کہتے جہول وظالم)

''سرودِ رفتہ'' کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہے کہ سیفو ایک بھرپور قسم کی عورت تھی۔ صنف نازک ہونے کے ناطے سے تو وہ ایک محبوبہ تھی لیکن اس کے اشعار سے جو تصویر سامنے آتی ہے وہ ایک والہانہ محبت کرنے

والے جذباتی عاشق کی ہے۔ وہ محبت کی آگ میں جلتی نظر آتی ہے۔ خالد کا کمال یہ ہے کہ اس نے سیفو کے جذبات واحساسات اور کیفیات کی آنچ کو مدہم نہیں ہونے دیا بلکہ اس کو شعلہ بنادیا ہے ایک نظم ملاحظہ فرمایئے:

اس خوش نصیب کو میں سمجھتی ہوں دیوتا　　جو باریاب ہو کے حریمِ وصال میں
نقش و نگارِ ناز کو جی بھر دیکھتا　　لبہائے دلنواز کے سنتا ہے زمزمے
لہجے کی مرکیوں میں گھلاوٹ وہ شہد کی　　آنکھوں میں ناچتی ہے ہنسی جو دبی دبی
اس نامراد دل میں لگاتی ہے آگ سی　　پل بھر جو تیرے روئے نگاریں کو دیکھ لوں
سینے میں ولولے بھڑک اٹھتے ہیں گونا گوں　　آواز گھٹ سی جاتی ہے محرابِ نطق میں
کس منہ سے ماجرائے دلِ مبتلا کہوں

ایسے ہی جذبات واحساسات کی خوب صورت عکاسی کی ایک اور مثال دیکھیے۔ ہو چی منہ سلاخوں کے پیچھے ہے لیکن بحیثیت انسان وہ جذبات کی رو میں بہتا نظر آتا ہے وہ داخلی کیفیات کو خارجی حوالے سے بیان کرتا ہے۔ خالد کس مہارت سے ان کیفیات کو اپنی زبان کا لباس پہناتے ہیں:

آہنی سیخوں کے اندر شوہر/ آہنی سیخوں کے باہر بیوی
(ٹکٹکی باندھ کے) دیکھے اندر/ اس قدر پاس کہ ہے فاصلہ آپس میں فقط انچوں کا
اور پھر دیکھو تو/ اس قدر دُور فلک اور سمندر کا عمق ہو جیسے
وہ سخن لفظ جنھیں کہہ نہ سکیں/ انھیں بے آس نگاہیں لبِ گویا بخشیں
اور ہر لفظ سے پہلے ہو سرشک آلودہ / (خود بخود ساغر لبریز چھلک اٹھتے ہیں)
کس میں ہے تاب وتواں/ کہ کھڑا رہ کے وہاں
متاثر نہ ہو اس درد بھرے منظر سے؟/ (اس ملاقات کو بے دیدہ تر دیکھ سکے؟)

ادبی ترجمے کی ایک اہم اور بنیادی خوبی تخلیقی لمحے کی بازیافت ہے۔ کوئی بھی تخلیق فنکار کے تصورات کا عکس ہوتی ہے اور اس میں ایک خاص قسم کی روح رواں دواں رہتی ہے۔ ترجمہ نگار کا کام یہ ہے کہ وہ اس روح اور تصوراتی فضا کی نہ صرف بازیافت کرے بلکہ اپنے آپ کو اس فضا کا ایک حصہ سمجھے۔ وہی کیفیات جو قاری کو اصل تصنیف پڑھتے ہوئے حاصل ہوتی ہیں ترجمے میں بھی موجود ہونی چاہئیں۔ خالد نے ترجمہ کرتے وقت کمال سادگی و پرکاری سے فن کو اس طرح برتا ہے کہ ان کو علیحدہ کر کے ان پر صرف خالد کا نام چسپاں کر دیا جائے تو ہر شخص ان کے طبع زاد ہونے پر یقین کرلے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب کچھ قارئین کے دل میں اتار دیتے ہیں جو مصنفین کا مقصود ہوتا ہے۔ خالد اپنی زبان میں مکمل طور پر اس طرز فکر کو پنپنے کی اجازت دیتے ہیں جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر تراجم میں لہجے کا بناوٹی پن نظر آتا ہے لیکن خالد کے ہاں یہ

تصنع مفقود ہے۔ اس کی وجہ خالد کا وہ فنی ریاض ہے جو ایک مترجم کو حاصل ہونا چاہیے اور خالد نے پختگی فن کے سبب اس کا مکمل اظہار کیا ہے۔ اس ضمن میں نمونے کے طور پر ان کی یہ نظمیں حاضر ہیں:

عندلیبِ سینہ چاک/ فصلِ نو بہار کی
مژدہ سنج خوش نوا/ دل گداز و دلربا
کہہ رہی ہے مرحبا/ موسم گل آ گیا (سرودِ رفتہ)

زلف اک خروار سنبل، چہرہ اک گلزار گل   خوشنما ہیں بال تیرے کاکلِ خمدار میں
اور صراحی دار گردن موتیوں کے ہار میں   طوق سونے کے بنا کر ان میں ہم تیرے لیے
پھول چاندی کے جڑیں گے شوق سے

(غزل الغزلات)

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہے کہ مترجم کی زبان جذبات کے بہاؤ میں رکاوٹ نہیں بن رہی بلکہ مصنف کے اصل الفاظ مترجم کے دل کی وادی سے ہو کر ہم تک پہنچ رہے ہیں۔

خالد کے ترجمے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ناموں کے ترجمے میں بھی بہت محتاط ہیں اور انھوں نے ترجمے میں بھی ناموں کو ان کی اصلی حالت میں رکھا ہے۔ اس کے باعث ایک تو ترجمہ اصل متن کے قریب رہتا ہے، دوسرے علم کے اصل سرچشموں تک آسانی سے رسائی ہو جاتی ہے اور تیسرے یہ کہ ترجمے میں بھی وہ تاثر قائم رہتا ہے جو مصنف کے پیش نظر ہوتا ہے۔ چند اقتباسات ''سرودِ رفتہ'' سے ملاحظہ فرمایے کہ خالد نے کس خوبی سے تاریخی کرداروں اور ناموں کو زندہ رکھا ہے:

بکھرتی ہے نگاہِ شوق تیرے روئے زیبا پر   تو خال و خد سے ہوتا ہے جھمکڑا آشکار ایسا
کہ دیکھے تو کٹے ہرمین کا حسنِ ضیا گستر   کہاں تیرے مقابل سر اٹھائیں فانی ابلائیں
تجھے میں سرخی مائل بھورے بالوں والی ہیلن سے   بہت ڈرتے جھجکتے اے صنم تشبیہ دیتی ہوں
مبادا تیری رعنائی کا عالم اس سے ہو بڑھ کر

ایک اچھے مترجم کی بڑی پہچان یہی ہے کہ وہ دو زبانوں کے اتصال سے اپنی زبان میں ایک نئے اسلوب کے لیے راستہ ہموار کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

''مترجم کا کام یہ ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے اظہار کو اپنی زبان کے اظہار سے ملا کر ایک نئے اسلوب کے لیے راستہ ہموار کرے۔ ایسے ترجموں میں ممکن ہے آپ کو اجنبیت کا احساس ہو لیکن اس اجنبیت سے جب آپ مانوس ہو جائیں گے تو خود محسوس کریں گے کہ اب زبان خیال واحساس کے بوجھ تلے دب کر نہیں رہ گئی ہے بلکہ اس میں اثر آفرینی کے

ساتھ بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ایسے تراجم روا روی میں نہیں پڑھے جا سکتے
اور نہ ان کا حسن اور دلکشی ایک ہی نظر میں آپ کے دیدہ و دل تک پہنچ سکتے ہیں۔"(۹)

عبدالعزیز خالد کے تراجم مندرجہ بالا دونوں ناقدین کے معیار پر پورے اترتے ہیں کہ وہ نہ صرف متن کے ساتھ وفاداری کرتے ہیں بلکہ اس زبان کے طرزِ بیان، صنفِ سخن اور اسلوب سے بھی اپنی زبان کو متمول بناتے ہیں۔قرآن مجید کے لافانی پیغام کو خوبصورتی کے ساتھ نظم آزاد کی صورت میں پیش کرنے کا اعزاز بھی خالد کو حاصل ہے۔غزل الغزلات بھی آزاد نظم کی ہیت میں ہے۔غبارِ شبنم میں تقریباً سوا تین سو جاپانی شعرا کا ترجمہ ہے۔پھر وہاں کی معروف صنفِ سخن ہائیکو کو بھی باقاعدہ طور پر اردو میں متعارف کرایا ہے، جس کے باعث اب اردو کے متعدد شعرا اس میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔اردو میں ہائیکو کو رواج دینے کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید فرماتے ہیں:

"ایک تحقیق کے مطابق ہائیکو کی باقاعدہ ترویج عبدالعزیز خالد کی مرہون منت ہے، جنھوں نے جاپانی شاعری کے مختلف انواع کے تراجم "غبارِ شبنم" کے نام سے شائع کیے تو ان میں ہائیکو کو بھی نمایاں اہمیت دی۔عبدالعزیز خالد چونکہ قادرالکلام شاعر ہیں اور جذبے کی لطیف ترین لہر کو محسوس کرتے اور اس کی لطافت کو لفظوں کی بنت میں سمونے کا سلیقہ رکھتے ہیں اس لیے انھوں نے نہ صرف ہائیکو کے مزاج کو اپنی تخلیقی گرفت میں لیا بلکہ جاپان کے تہذیبی اثاثوں کی پاسداری بھی کی۔عبدالعزیز خالد کے تراجم میں موسموں، پھولوں اور تتلیوں کے لمس کو شعر کے قالب میں ڈھالنے اور پھر اُسے اردو کا روپ دینے کی عمدہ کاوش نظر آتی ہے۔"(۱۰)

خالد کی چند ہائیکو پیش خدمت ہیں:

ہے عمق سے تہی بہار ابھی
کر رہی ہے سفر ہوا ہی فقط
پیڑ سے پیڑ تک بحدِ نظر (غبارِ شبنم)

وقت پوشاک کے بدلنے کا
کوئی کپڑا نہیں بنا میں نے
آہ میرا گناہ سنگین ہے (غبارِ شبنم)

یوں لگے صورت سے جیسے
بن رہے ہیں وہ زمیں
یہ جو پتے ہیں گرے (غبارِ شبنم)

بلینک ورس یا نظم معرّیٰ کے اردو میں آغاز اور ترویج کے حوالے ان کے پیش رو شعرا کی اہمیت مسلم ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خالد نے جس کثرت کے ساتھ اپنی تخلیقات اور تراجم میں اس کا استعمال کیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے۔ حامد اللہ افسر میرٹھی اپنے ایک مضمون میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''خالد نے اپنی اکثر نظموں کے لیے بلینک ورس یا نظم معرّیٰ اختیار کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ نظم کا موضوع اپنا سانچہ خود تلاش کرتا ہے، میں نے خالد کی نظموں کا مطالعہ کرنے سے تقریباً پندرہ برس پہلے اپنے ایک مضمون میں عرض کیا تھا کہ ہماری شاعری کو ابھی نظم معرّیٰ کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوئی، اس کے استعمال کے لیے ہمیں ایک عظمت پسند شاعر کا انتظار کرنا پڑے گا جسے اپنی طویل نظموں اور تمثیلوں کے لیے اس صنفِ سخن کی ضرورت پڑے گی، میرا خیال ہے کہ وہ عظمت پسند شاعر خالد کے روپ میں پیدا ہو گیا ہے۔ خالد نے اپنی شاعری کا رشتہ صنمیات اور الہامی صحیفوں سے جوڑا ہے، ان کی اعلیٰ علمی قابلیت، فلسفے اور اساطیر سے ان کی گہری دلچسپی نے انھیں بلینک ورس کی طرف متوجہ کیا اور اپنی غیر فانی طویل نظموں کے لیے اس صنفِ سخن کے اختیار کرنے میں وہ کامیاب ہوئے، شاید اب کسی نقاد کے دل میں یہ شبہ پیدا نہ ہوگا کہ بلینک ورس ہماری زبان میں رواج نہیں پاسکتی۔''(۱۱)

خالد کی معروف تمثیل ''سلومی'' مکمل طور پر نظم معرّیٰ میں ہے۔ باقی تراجم میں بھی اس کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ ''گلِ نغمہ'' سے دو اقتباس دیکھیے:

ہجوم تمنا کے آشوب نے — بنایا ہے مجھ کو سراپا فغاں
ہمیشہ مگر اے شہِ دو جہاں! — مرے شوقِ مفرط کی تکمیل سے
پس و پیش کر کے ترے فیض نے — اس آتش کدے کو نہ بجھنے دیا
تو دیتا ہے جب حکم نغمہ سرائی — تو دل شدتِ شوق و فرطِ طرب سے
سماتا نہیں پہلوئے ناتواں میں — کہ جیسے اسے مل گئی ہو خدائی
شرابِ ترنم سے مدہوش ہو کر — پکارا میں مولا کو اے یار جانی
یہ سحر مزامیر ...... الحمد اللہ — یہ نغمے کی تاثیر ...... اللہ اکبر

خالد کے تراجم کے باب میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے یہ تراجم کسی ادارے کی فرمائش پر یا کسی مالی منفعت کے پیش نظر نہیں کیے بلکہ انھوں نے حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، جہاں سے ملے لے لو، کو مدنظر رکھتے ہوئے حکمت و دانائی کی باتوں کو اپنے لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہر جگہ اپنی پسند اور ذوق کا خیال رکھا ہے اور دنیا کے عظیم مصنفین ہی کو ترجمے کے لیے منتخب کیا

ہے۔ چنانچہ ان کی زنبیل میں آپ کو ٹیگور، سیفو، ہو چی منہ، رسول حمزہ اور آسکر وائلڈ جیسے لوگ ہی نظر آئیں گے وہ اس سلسلے میں جگر مراد آبادی کے ہم مسلک ہیں۔

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہل دل کے لیے سرمایہ جاں ہوتا ہے

اسی خیال کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ جہاں کوئی حسین چیز نظر آتی ہے جی چاہتا ہے اسے دوسروں کو بھی دکھایا جائے کہ شراکت سے خوشی دو چند ہو جاتی ہے۔ وہی سنت خلیل اللہی کہ اکیلے کھانا حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ صحرا کی طرف آنکھیں لگی ہیں کہ شاید کوئی ناقہ سوار آ جائے۔ کوئی خستہ حال مسافر قدم رنجہ فرمائے تو اس کے ساتھ مل کر ماحضر تناول کیا جائے۔ وسیع المشربی کا اقتضا یہی ہے۔ فنکار کی ودیعت اس کی ملکیت نہیں بلکہ اس کی امانت ہوتی ہے اسے تو ہمیشہ لٹنے لٹانے میں مزا آتا ہے۔ خرچنے سے اس کی دولت بڑھتی ہے۔ ان ترجموں کے پیچھے وہی جذبہ ہے کہ جو کبھی محمود غزنوی کو نچلا نہیں بیٹھنے دیتا تھا کہ دنیا جہاں کے سومناتوں کو لوٹ کر غزنی کے خزانوں کو بھر دے۔ اس کے گلی کوچوں کو آرائش و زیبائش سے روکش فردوس بنا دے۔ (۱۲)

عبدالعزیز خالد مترجم کے علاوہ اپنی زبان کے بلند پایہ ادیب اور شاعر بھی ہیں وہ اپنی زبان اور اس کے جملہ اسالیب پر مکمل دسترس رکھتے ہیں بقول ڈاکٹر انور سدید:

''عبدالعزیز خالد ہمارے ان جلیل القدر شعرا میں سے ہیں جن کی ہر کاوش کلاسیکیت کی بلندی کو چھو سکتی ہے۔ جس کامیابی اور جس خوبی سے انھوں نے رفیع الشان اشعار کا وسیع ذخیرہ تخلیق کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لفظوں، رنگوں، کیفیتوں اور جذبوں کے طوفانی امتزاج کو نہ صرف محسوس کر سکتے ہیں بلکہ ان سب کو فکری لطافتوں کے ساتھ قاری تک پہنچانے کا سلیقہ بھی جانتے ہیں۔'' (۱۳)

ڈاکٹر سید عبداللہ رقمطراز ہیں:

''وہ ضعیف، فکر مند اور پر تشکیک لے سے الگ ہو کر اردو شاعری کو ایک بارعب نوا، ایک پر شوکت لہجہ اور توانا آواز سے بانصیب کرتے ہیں۔ جس کی مخصوص صوتی فضا ہی عظمت و شکوہ کی ترجمانی کے لیے کافی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ نوا ظفر علی خاں اور اقبال کی شعری فضا کی تجدید مع اضافہ ہے۔ یہ عظمتوں کی دنیا ہے، رومانی عظمتوں کی دنیا۔'' (۱۴)

فاضل ناقدین کی محولہ بالا آرا سے اس بات کی تصدیق وتائید ہوتی ہے کہ خالد فن شاعری کی گہرائی وگیرائی کے ادراک، وسعتِ مطالعہ اور مختلف مشرقی زبانوں پر بے پناہ قدرت کے باعث اپنی مثال آپ ہیں۔ خالد اردو کے علاوہ عبرانی، عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگر مترجم اپنی زبان کا ایک بڑا سچا ادیب ہو اور متعدد دوسری زبانوں پر کما حقہ، عبور رکھتا ہو تو وہ اس طرح تخلیقی تجربہ کی باز آفرینی کرتا ہے کہ ترجمہ اور طبع زاد کا فرق مٹ جاتا ہے اسی لیے جعفر طاہر نے سرودِ رفتہ پہ تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''سیفو ایسی خوبصورت شاعرہ کا اتنا خوبصورت ترجمہ کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ یار لوگ آسکر وائلڈ سے آگے نہیں بڑھے یا جیمز کے تراجم ہوئے بھی تو ناولوں کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر۔ حالانکہ یہ کام افادی ادب اور شعروسخن کی ابدی اقدار پر ایمان رکھتے ہوئے ہونا چاہیے تھا۔ خالد ہماری مبارکباد اور ارباب ذوق کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ق م کی اس دسویں میوز کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اگر شعرا کی روحیں مرتی نہیں تو میرا ایمان ہے کہ خود سیفو بھی اس عمدہ ترجمے پر پھڑک اٹھی ہوگی۔''(۱۵)

خالد کے بعض ناقدین ان کے تراجم کے حوالے سے یہ مسئلہ بھی اٹھاتے ہیں کہ انھوں نے بعض ایسی کتابوں کے تراجم بھی کیے ہیں جو بظاہر دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں۔ مثلاً سرودِ رفتہ یا گل نغمہ ادب میں عصری تقاضوں کی اہمیت کے پیش نظر نمایاں مقام حاصل نہیں کر پاتے۔ خالد کے الفاظ ہی میں اس کا بڑا واضح جواب موجود ہے کہ یونان کی شعلہ نوا شاعرہ سیفو کے نغمے (سرود رفتہ) اور رابندناتھ ٹیگور کی گیتا نجلی (گل نغمہ) کسی مخصوص دور سے وابستہ نہیں۔ یہ ادب کا کلاسیکی ورثہ ہیں جو کبھی پرانا نہیں ہوتا۔

ادب میں عصری تقاضے ہیت میں تبدیلی اور تنوع کے متقاضی ہوتے ہیں شاعران کو کیسے فراموش کرسکتا ہے۔ یہی تو اس کے تخیل کا تارو پود ہوتے ہیں۔ اسی سنگ وخشت سے وہ اپنے ایوان فکر کی تعمیر کرتا ہے۔ وہ کسی Ivory Tower میں نہیں رہتا ہے۔ بلکہ وہ تو کارزارِ حیات میں شریک اور اپنے عصر کے دکھ سکھ میں شامل ہوتا ہے۔ زندگی کے اٹل حقائق روزانہ کہاں بدلتے ہیں۔ سچائی کل بھی سچائی تھی اور آج بھی سچائی ہے۔(۱۶)

عبدالعزیز خالد نے بھی اپنے تراجم کے باعث جہاں مختلف اصناف ادب کو فروغ دیا ہے وہیں جدید وقدیم الفاظ، استعارات، تشبیہات اور تلمیحات کے ایک وسیع خزانے سے بھی اردو کا دامن مالا مال کیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فنِ مصوری میں آمیزش رنگ (Colour Combination) کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور مونالیزا کی ماورائی مسکراہٹ رنگوں کے امتزاج کی مرہون منت ہے۔ خالد کے ہاں بھی وسیع ذخیرۂ الفاظ کے استعمال سے آمیزش رنگ کی خوبی پیدا ہوگئی ہے۔ ٹی۔ایس۔ایلیٹ کے الفاظ بھی

دہرانے کے قابل ہیں کہ شاعر نہ صرف اپنی صدی کی آواز ہوتا ہے بلکہ اس کی آواز میں کئی صدیوں اور نسلوں کے شعری سرمائے کی گونج شامل ہوتی ہے۔ خالد کے تراجم کو غور سے پڑھیں تو ان میں بھی علم وادب کی کئی صدیاں سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

رسول حمزہ توف ''میرا داغستان'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مجھے معلوم ہے کہ لوگ اکثر میری پیٹھ پیچھے کہتے ہیں ''رسول حمزہ کی بات کرتے ہو؟ اس میں شک نہیں کہ اس میں صلاحیت ہے، مگر اب ایسی غیر معمولی بھی نہیں۔ یہ تو ماسکو والے ہیں جنھوں نے ترجمہ کر کے اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔'' میں اس سے انکار بھی نہیں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر مترجم نہ ہوتے تو میں بھی نہ ہوتا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے مجھے ہائنے، برنس، شکسپیئر، سعدی، سروانتیس، گوئٹے، ڈیکنیس، لانگ فیلو، وھٹمین اور ان تمام دوسرے ادیبوں سے واقف کرایا جنھیں میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں پڑھا ہے اور جن کا مطالعہ کیے بغیر میں ادیب بن ہی نہ پاتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے میری نظموں کو ایک نئی شاہراہ سے واقف کرایا ہے۔ وہ اپنے ساتھ میری نظموں کو طوفانی دریاؤں اور بلند پہاڑوں کے پار لے گئے ہیں۔ اونچی فصلوں اور سرحد پر قائم چوکیوں سے آگے لے گئے ہیں۔ اور یہی نہیں انھوں نے ان نظموں کو انتہائی اٹل سرحدیں پار کرائی ہیں، زبان کی سرحدیں پار کرائی ہیں۔ بہرے پن، اندھے پن اور گونگے پن پر قابو حاصل کیا ہے۔''(۱۷)

رسول حمزہ نے کتنے تشکر آمیز انداز میں اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ مترجمین ادب بناتے بھی ہیں اور انھیں دنیا میں متعارف بھی کراتے ہیں۔ مجھے یقیں ہے اگر سیفو، ٹیگور، آسکر وائلڈ یا ہوچی منہ زندہ ہوتے تو وہ بھی رسول حمزہ سمیت خالد کے ممنون احسان ہوتے۔ ہاں آج کے اہل نقد ونظر بھی خالد کی کوششوں کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں صرف چند آرا مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

مولانا اسد القادری اپنے ایک مضمون میں رقم طراز ہیں:

"Khalid is not merely a poet, he is a translator too and per excellence. In fact, after obtaining the highest academic degree, he took to translation ...... His "Salome" is an excellent effort at reproduction in a new garb. With his devotion to history,economics, philosophy, literature,

English, Persain and Arabic, he has developed a keen insight,a deep diving, a robust evaluation."(۱۸)

فیض احمد فیض، خالد کے تراجم پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خالد صاحب کے کمالات کا بہت زمانے سے معترف ہوں۔ انھوں نے نہ صرف شرق وغرب کے خزائن کو اردو میں منتقل کیا ہے بلکہ یہ ادب نواز بھی ہیں اور انھوں نے بڑے خلوص اور بے غرضی سے اردو ادب کی خدمت کی ہے۔''(۱۹)

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، خالد کے تراجم کے باب میں رقم طراز ہیں:

''عبدالعزیز خالد نے محض اپنے جذبات کی دنیا ہی اپنی طویل نظموں اور تمثیلوں میں مرتب نہیں کی بلکہ ہماری شاعری کی دنیا کو مشرق ومغرب کے ضمیات اور کرداروں سے بھی آباد کردیا۔''(۲۰)

سید ضمیر جعفری اپنے مخصوص انداز میں خالد کے تراجم پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''ترجمے کے فن میں خالد خاص میلان وملکہ رکھتے ہیں سیفو ہو یا ٹیگور وہ اصل مصنف کی انگلی پکڑ کر نہیں چلتے بلکہ ان کی آنکھوں میں آنکھوں ڈال کر ان کی روح پہ ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ ان کا ترجمہ رسمی یا آئینی نہیں ہوتا، ذوقی اور تخلیقی ہوتا ہے۔ غیر زبان کی کافر سے کافر نظم کو مسلمان کر کے وہ اسے کچھ اس چاؤ چونچلے سے اپنے ادبی معاشرے میں جذب کر لیتے ہیں کہ نظم نووارد تو ہوتی ہے، اجنبی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات تو وہ دوسری زبانوں کی نظموں کو گویا بیاہ کر اپنے روپ میں مستقلاً لے آتے ہیں۔''(۲۱)

محولہ بالا آرا اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ خالد ایک قادرالکلام اور پرگو شاعر ہونے کے ساتھ ایک اعلیٰ پائے کے مترجم بھی ہیں۔ ان کے تراجم میں تنوع اور بوقلمونی ہے۔ ان تراجم میں کلاسیکی سرمایہ بھی ہے اور جدید ادب بھی۔ نظم کی دنیا بھی ہے اور نثر کی بہار بھی۔ یہ تراجم اپنی تخلیقی اپچ، علمی سنجیدگی اور سلاست کی بنا پر پہچانے جاتے ہیں اور ان تراجم سے صحیح معنوں میں اردو کے منثور اور منظوم اسالیب اور موضوعات میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ انگریزی ادیب اور دانشور ویلموٹی (Willmoti) نے بہت خوب کہا ہے:

" Genius finds its own road and carries its own lamp."

عبدالعزیز خالد کے فکروفن پر نظر ڈالیں تو وہ بھی ہمیں ایک ایسے ہی عبقری اور نابغۂ روزگار دکھائی دیتے ہیں جو ہر لحظہ ایک نئی دریافت اور تخلیق کے جویا ہوتے ہیں۔ وہ علم وحکمت کو اپنی متاع گم گشتہ سمجھ کر ہر

زبان کے ادبیات سے اخذ واستفادہ کرکے اردو کے دامن کو جس طرح مالا مال کرتے ہیں اس کی مثال شاذ ہی ملے گی۔آخر میں اس ساری بحث کو خالد کے اپنے الفاظ میں سمیٹنا مناسب رہے گا:

میرا مسلک کشادہ قلبی ہے
میرا مذہب محبتِ انساں
ترجمہ ترجمانی و ترسیل
اور میں ترجمان و نامہ رساں

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) حفیظ صدیقی۔''عبدالعزیز خالد ایک تاثر''مشمولہ ارمغانِ خالد،مرتب:نصیر احمد ناصر،لاہور:مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء،ص ۶۱

(۲) احسن فاروقی،ڈاکٹر۔''پرواز عقاب''،مشمولہ تحریریں (ماہنامہ) خالد نمبر ا،جلد نمبر ۵،شمارہ ۳،۴ لاہور:چوک اردو بازار، ۱۹۷۵ء،ص ۳۴۰

(۳) Rasul Hamza Tov. My daghestan.Translator,Peter Tempest, Mascow: Progress publishers,1974,Page18

(۴) حامد اللہ افسر میرٹھی۔''ایک نادرہ فن فنکار''مشمولہ سیارہ (ماہنامہ) خالد نمبر،جلد نمبر ۱۴،شمارہ نمبر ۵،۱۹۶۵ء ص ۱۴۸

(۵) کامل القادری۔مہمات خالد۔لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۷۶ء،ص ۶۴

(۶) عبدالعزیز میمن۔''شاعر اسلام''مشمولہ سیارہ (ماہنامہ) خالد نمبر،ص ۲۸

(۷) عبدالعزیز خالد۔''مکالمے''مشمولہ ارمغان خالد، ص ۵۸۷

(۸) عبدالحق،ڈاکٹر مولوی۔''تراجم کی اہمیت''مشمولہ افکار عبدالحق،مرتبہ:آمنہ صدیقی،ص ۱۳۲

(۹) جمیل جالبی،ڈاکٹر۔''ترجمے کے مسائل''مشمولہ تنقید اور تجربہ۔دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۸۹ء،ص ۱۱۱

(۱۰) انور سدید،ڈاکٹر۔ارمغان خالد،مرتب:نصیر احمد ناصر،ص ۳۰۲

(۱۱) حامد اللہ افسر میرٹھی۔''ایک نادرہ فن فنکار،مشمولہ سیارہ (ماہنامہ) خالد نمبر،ص ۱۴۸

(۱۲) عبدالعزیز خالد۔''مکالمے''مشمولہ ارمغانِ خالد،مرتب:نصیر احمد ناصر،ص ۶۰۴

(۱۳) انور سدید،ڈاکٹر۔''تاثرات''مشمولہ تحریریں (ماہنامہ) خالد نمبر ا،ص ۴۰۹

(۱۴) عبداللہ، ڈاکٹر سید۔ ''خالد۔تخلیقی عظمتوں کا مصور'' سیارہ (ماہنامہ) خالد نمبر، ص ۲۵۵

(۱۵) جعفر طاہر۔ ''سرودِ رفتہ'' مشمولہ تحریریں (ماہنامہ) خالد نمبر ا، ص ۳۰۹

(۱۶) عبدالعزیز خالد۔ ''مرابنگر'' مشمولہ فانوس (ماہنامہ) مقدمہ خالد نمبر، ص ۲۲

(۱۷) رسول حمزہ۔ میرا داغستان۔ مترجم: اجمل اجملی، ص ۳۸۷

(۱۸) Asad-ul-Qadri,Maulana "The Creation of Farqleet" Aramghan-e-khalid, Page440

(۱۹) فیض احمد فیض۔ ''ہو چی منہ اور ان کی نظموں کا ترجمہ'' مشمولہ متاع لوح وقلم، کراچی: مکتبہ دانیال عبداللہ ہارون روڈ، دسمبر ۱۹۷۳ء، ص ۴۷

(۲۰) ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر۔ ''تاثرات'' مشمولہ تحریریں، خالد نمبر، ص ۴۶۰

(۲۱) ضمیر جعفری، سید۔ ''اردو شاعری کا عقاب اعظم'' مشمولہ تحریریں (ماہنامہ) خالد نمبر ا، ص ۹۷